ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.8,Issue No.2 (2026)
(April to June)

کونیل کا نظریہ Hegemonic Masculinity اور اُردو افسانہ (بحوالہ احمد ندیم قاسمی)

Connell's Theory of Hegemonic Masculinity and Urdu Short Story (With Reference to Ahmad Nadeem Qasmi)

حافظہ کہکشاں علی
پی ایچ۔ڈی سکالر، شعبہ اُردو، دی ویمن یونیورسٹی، ملتان
ڈاکٹر شگفتہ حسین
پروفیسر آف ایمریطس، شعبہ اُردو، دی ویمن یونیورسٹی، ملتان

Hafiza Khakshan Ali
Ph. D Scholar, Department of Urdu, The Women University, Multan
kehkshanali786@gmail.com
Dr. Shagufta Hussain
Prof. Emirates, Department Of Urdu, The Women University, Multan

Article Details
Received:
May 29, 2026
Accepted:
June 15, 2026
Online Published:
June 30, 2026

Copyright: © 2026 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: This study presents an analysis of R. W. Connell's theory of hegemonic masculinity and its significance in Urdu fiction, particularly with reference to the short stories of Ahmad Nadeem Qasmi. Hegemonic masculinity refers to the socially dominant form of masculinity that legitimizes male authority and reinforces gender hierarchies at cultural, social, and institutional levels. In the context of Urdu fiction, the stories of Ahmad Nadeem Qasmi provide a critical lens for understanding these issues, where various forms of gender discrimination, patriarchy, and social oppression are highlighted. His short stories particularly foreground the experiences of marginalized groups and women, thereby exposing the structural violence present in everyday life. On the basis of textual analysis, it can be argued that Qasmi's fiction not only reveals the reality of hegemonic masculinity but also questions its normalized assumptions, thus offering a subtle yet powerful critique of patriarchal structures in South Asian society.

Keywords: Hegemonic masculinity, Urdu fiction, Ahmad Nadeem Qasmi, patriarchy, gender inequality

کائنات کے نظام میں توازن برقرار رکھنے کے لیے مرد اور عورت دونوں ہی لازم ہیں۔ دونوں کے باہمی ملاپ سے ہی کائنات کا حسن قائم ہے۔ خالقِ کائنات نے دونوں کی علیحدہ علیحدہ ساخت اور صفات بنا کر ایک دوسرے کا ساتھی اور مدد گار بنایا ہے۔ دونوں کی زندگی ایک دوسرے کے بغیر ادھوری ہے۔ انسانی معاشرے کی تکمیل اور خوشحالی دونوں کے باہمی اشتراک اور تعاون سے مشروط ہے۔ یہ دونوں کائناتی نظام کے دو پہیوں کی مانند ہیں۔ دونوں میں سے کسی ایک کے بغیر بھی کائنات کا نظام چلنا ناممکن ہے۔ دونوں کی اہمیت مسلم ہونے کے باوجود معلوم تاریخ کے مطابق پدر سری معاشرے میں عورت کی حیثیت ثانوی اور مرد کے تابع رہی ہے۔ مرد

جسمانی طور پر طاقت ور ہونے کے باعث عورت کو صنف نازک کا نام دے کر اسے ثانوی حیثیت دیتا ہے اور اس کی نفسیات پر بھی گہری چوٹ کرتا ہے۔

دنیا کے سماجی اور ثقافتی رویوں نے اس تخصیص کو ابھارنے میں اور صنفی عدم مساوات کو قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ کم و بیش دنیا کے تمام معاشروں میں لڑکوں اور لڑکیوں کی پرورش ایک الگ انداز میں کی جاتی ہے۔ لڑکیوں کو سکھایا جاتا ہے کہ فرما نبرداری سے والدین کے احکامات کو مانیں اس کے برعکس اگر لڑکا جارحیت کا ارتکاب کرے تو اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ صورِ تحال کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے لیے انہیں ترغیب دی جاتی ہے کہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے طاقت کے استعمال سے بھی گریز نا کریں۔ لڑکوں کو عام طور پر شیر کہا جاتا ہے جب کے گڑیا کا لفظ لڑکیوں کے لیے مخصوص ہے۔ لڑکے اور لڑکیوں کے بچپن کے کھلونوں میں بھی واضح فرق ہوتا ہے۔ لڑکوں کے کھلونے بندوق وغیرہ جبکہ لڑکیوں کے کھلونے امور خانہ داری سے منسلک ہوتے ہیں جو بالترتیب طاقت اور نزاکت کی علامت ہیں۔ یوں شروع سے ہی دونوں کو جداگانہ انداز میں پروان چڑھایا جاتا ہے تاکہ مستقبل میں مختلف یہ مختلف طرح کے معاشرتی و ثقافتی کردار نبھانے کے قابل ہو سکیں۔ یوں لڑکوں کو ابتدا سے ہی شعوری و لاشعوری دونوں سطحوں پر "مردانگی" کے نام پر اپنی طاقت کا اظہار کرنے اور تشدد کو اپنانے کی ترغیب دی جاتی ہے تاکہ وہ صنفِ مخالف کو محکوم بنا سکیں۔ یہی مردانگی کی خصوصیات مانی جاتی ہیں۔ وہ لڑکے یا مرد جو مردانگی کے ان اصولوں پر پورا نہیں اُترتے اُن کو تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا۔ ماہرینِ عمرانیات نے مردانگی کی تعریفیں لکھی ہیں۔ وکی پیڈیا کے مطابق:

"Masculinity (also called manhood or manliness) is a bet of attributes, behaviors, and roles generally associated with men and boys."(1)

(مردانگی، کردار، انصاف اور طرز عمل کا ایسا مجموعہ ہے جو مردوں اور لڑکوں سے مخصوص ہوتی ہیں)

Cambridge Dictionary میں مردانگی کی تعریف کچھ یوں ہے:

"The characteristics that are traditionally thought to be typical of stable of men."(2)

(ایسی خصوصیت جو روایتی طور پر مردوں کے لیے مخصوص یا مناسب سمجھی جاتی ہیں)

مردانگی کی دونوں تعریفوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مردانگی ایک مخصوص روایتی اور ثقافتی طرز عمل کا نام ہے جو مردوں سے مخصوص ہیں۔ مردانگی کی غالب شکل کو Raewyn Connell نے اپنے نظریے Hegemonic Masculinity میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ R.W Connell ایک آسٹریلوی سماجی ماہر عمرانیات ہیں اور یونیورسٹی آف سڈنی میں پروفیسر آف ایمریطس ہیں۔ کونیل دنیا بھر میں اپنے نظریے Hegemonic Masculinity کی وجہ سے جانی جاتی ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ معاشرے کے نجی، روایتی، ثقافتی اصول، رویے اور طرز عمل عدم مساوات اور صنفی امتیاز کی وجہ بنتے ہیں۔ مثال کے طور پر لڑکیوں اور عورتوں سے اکثر شائستگی سے برتاؤ کرنے، ملنسار ہونے اور دیکھ بھال کرنے کی توقع کی جاتی ہے۔ مردوں کو عام طور پر طاقتور، نڈر اور جنگجو سمجھا جاتا ہے۔ صنفی امتیاز کی یہ وجوہات ہر ملک، ہر نسل، ہر گروہ اور ثقافت میں موجود ہوتی ہیں۔ تاہم وہ سب ایک دوسرے سے

مختلف ہو سکتی ہیں۔ کونیل اپنی کتاب "Masculinity" میں مردانگی کی وضاحت کرتے ہوئے ماہر عمرانیات Lional Tiger کے حوالے سے لکھتی ہیں اصل مردانگی جنگ اور طاقت سے حاصل ہوتی ہے۔

> "Masculinity have been colorfully varied, risk taking, responsibility irresponsibility, aggress, Zeus energy.... perhaps the finest is the sociobiologist Lional Tigers idea that true maleness underlying male bonding and war, is elicited by have and heavy phenomena."(3)

(غیر مرئی مردانگی کی مختلف خصوصیات ہیں جیسے خطرہ لینا، ذمہ داری نبھانا، غیر ذمہ دار ہونا، جارحیت کا ارتکاب کرنا، طاقت حاصل کرنا، ماہر عمرانیات (Lional Tiger) کا خیال ہے کہ اصل مردانگی مردوں کے خصوصی مردانہ اوصاف، جنگ، سخت اور مشکل مظاہر سے اُبھرتی ہے) کونیل نے مردانگی کے تمام اوصاف کو بڑے ولائل کے ساتھ واضح انداز میں کیا ہے۔ اس کی اقسام اور معاشرے پر اس کے اثرات پر بھی بڑی پُر مغز گفتگو کی ہے۔ اس نے مردانگی کی چار اقسام بتائی ہیں:

1. Hegemonic Masculinity
2. Compact Masculinity
3. Subordinated Masculinity
4. Marginalized Masculinity

کونیل نے سب سے زیادہ اہمیت Hegemonic Masculinity کو دی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ان چاروں اقسام کا آپس میں گہرا ربط ہے۔ لیکن ان سب پر Hegemonic Masculinity حاوی ہے۔ یا یوں کہیے کہ Hegemonic Masculinity ہی Masculinity کی باقی اقسام کو جنم دیتی ہے۔ Hegemonic کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

> "Hegemonic masculinity can be defined as the configuration for gender practice which embodies the current accepted answer to the problem of the legitimacy of patriarch, which guarantees or is taken guarantee the dominant position of men and the subordination of women." (4)

کونیل کے الفاظ سے واضح ہے Hegemonic masculinity مردانگی کی وہ صورتحال ہے جس میں کوئی لڑکا یا مرد مخصوص صلاحیتوں کا مالک ہوتا ہے جن میں غلبہ، امتیازی سلوک، غصہ، تشدد اور مخالف جنس یعنی عورت کے ساتھ ناروا سلوک وغیرہ شامل ہے۔ کونیل نے اپنا یہ نظریہ بیسویں صدی کی آخری دو دہائیوں میں پیش کیا جس کو تنقید کا نشانہ بھی بنایا گیا۔ تنقید کے بعد کونیل نے اپنے نظریے پر نظر ثانی کی اور بیسویں صدی کے آغاز ۲۰۰۵ء میں اپنی کتاب Masculinity کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا اور ماہر عمرانیات Rames W. Messerschmitt کے ساتھ مل کر ایک طویل مضمون "Hegemonic Masculinity Rethinking the Concept" کے عنوان سے لکھا جس میں Hegemonic Masculinity کو بڑی وضاحت و صراحت کے ساتھ بیان کیا۔

> "The concept of hegemonic masculinity as based one practice that permits men's collective dominance over women to continue, it is not surprising that in some contents, hegemonic masculinity actually does refer to men's engaging in toxic particular setting. However,

violence and other noxious practices are not always the defining characteristics. Since hegemony has numerous configuration." (5)

(Hegemonic Masculinity کا تصور اس عمل پر مبنی ہے جو عورتوں پر مردوں کے اجتماعی تسلط کو جاری رکھنے کی اجازت دیتا ہے۔ یہ حیرت کی بات نہیں ہے کچھ سیاق وسباق میں Hegemonic Masculinity دراصل مردوں کے زہریلے طریقے میں ملوث ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہے جس میں تشدد بھی شامل ہے جو کسی مخصوص نشست میں صنفی غلبے کو مستحکم کرتا ہے۔ تاہم صرف تشدد اور دیگر مضر عمل ہمیشہ صرف یہ خصوصیات ہی نہیں ہوتیں کیونکہ مردانہ برتری کی متعدد تشکیلات ہوتی رہتی ہیں) کونیل کا کہنا ہے کہ مردانگی کی تمام اقسام اور خصوصیات میں یکسانیت نہیں پائی جاتی۔ اس کی خصوصیات کسی خاص علاقے وہاں کی تہذیب وثقافت اور رسوم ورواج کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کا فطری یا قدرتی ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تہذیب وثقافت اور علاقوں کے علاوہ یہ عہد بہ عہد بھی بدلتی رہتی ہے۔ وقت اور عہد بدلنے کے ساتھ ساتھ اس کی خصوصیات بدلتی رہتی ہیں ۔ Messerschmitt کے ساتھ لکھے ہوئے مضمون میں لکھتی ہیں:

'' Hegemonic masculinities therefore came into existence in specific circumstances and war open to his topical change. Moren preciously there could be a struggle for hegemony, and folder foams of masculinity might be displaced by ones.''(6)

(Hegemonic Masculinity مخصوص حالات میں جنم لیتی ہے اور اس میں تاریخی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ تسلط کی جدوجہد جاری رہی ہے۔ روایتی تسلط پسندانہ مردانگی کی جگہ نئی مردانہ برتری لے لیتی ہے)

"Hegemony masculinity is note a foxed Character type, always and everywhere the same it is rather. The masculinity that occupies the hegemonic position in given pattern of gander relation a position always contestable." (7)

(Hegemonic Masculinity کسی مخصوص خصوصیات کی حاصل نہیں جو ہر جگہ اور ہر وقت ایک ہی ہو بلکہ مردانگی صنفی تعلقات میں تسلط کی جدوجہد کرتی رہتی ہے) کونیل نے مردانگی یا مردانہ برتری کی جو خصوصیات بتائی ہیں وہ نا صرف مغربی معاشرے کا حصہ ہیں بلکہ جنوبی ہندوستان میں مردانگی کی کم و پیش یہی خصوصیات ہیں۔ عورت کو مرد کا پابند بنانا، بیوی پر شوہر کی اطاعت واجب جاننا، گھریلو تشدد، لڑکوں کو تعلیم کا اہل نا سمجھنا، خواتین کو کمزور اور ناقص العقل کہنا ہمارے معاشرے کا المیہ ہے جس کا ادراک پاکستانی اُردو ادب کی ہر صنف نے کیا ہے۔ شاعری، ڈرامہ، ناول، افسانہ اور تنقید غرض کہ ہر صنف میں مردانہ جارحیت کے خلاف ہمارے پاکستانی ادیبوں نے بھی بذریعہ قلم اپنی آواز اُٹھائی۔ مردانہ برتری اور خواتین پر ہونے والے مظالم کے خلاف ہمارے افسانہ نگار قیام پاکستان سے ہی صدائے حق بلند کر رہے ہیں۔

احمد ندیم قاسمی پاکستانی اُردو افسانے کا ایک معتبر حوالہ ہیں۔ انہوں نے پاکستان کے سماجی مسائل دیہی معاشرت، جاگیر دارانہ نظام کی قباحتیں، استحصالی رویے، کسانوں اور نچلے طبقے کی کسمپرسی، صنفی امتیاز اور خواتین کے جنسی استحصال کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں Hegemonic Masculinity کی وہ ساری خصوصیات موجود ہیں جن کا ذکر کونیل نے کیا ہے۔ ''لارنس آف تھیلیبیا'' قاسمی کا ایک ایسا افسانہ ہے جس میں نا صرف جاگیر دارانہ نظام کی عکاسی کی گئی ہے بلکہ افسانے میں باز کا لالی

کے شکار کے دوران، مرد کے عورت پر برتری کے غالب احساس کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ باز کو مرد اور عورت کو لالی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اقتباس دیکھیے:

"بشکو نے باز کے پنجے کو اپنے دستانے سے آزاد کر دیا۔ موت کی تلوار ہوا کو کاٹتی ہوئی چلی گئی اور لالی اڑ گئی۔ مگر باز نے آن کی آن میں اس کو جا لیا۔ لالی کی ایک چیخ نے اس ویرانے کو ذرا سا چونکا دیا اور پھر باز لالی کو اپنے پنجوں میں دبائے واپس بشکو کی مٹھی پر آ بیٹھا۔ تب اس نے لالی کی چیر پھاڑ شروع کر دی۔ اس کی مڑی ہوئی چونچ لالی کے خون میں رنگ گئی۔ پھر اس نے لالی کی بوٹیاں نوچنا شروع کر دیں اور خدا بخش مسلسل بولتا رہا۔ "اس کے کھانے کا قرینہ دیکھو ہڈی پر سے گوشت کیسے اتارتا ہے۔ انسان کو ایسا سلیقہ نصیب نہیں اور پھر یہ تو کچا گوشت ہے۔ تازہ اور دٹامن سے بھرپور۔"(۸)

باز کے شکار اور خدا بخش کے الفاظ کے ذریعے قاسمی نے مرد کی اس جنسی ہوس کی طرف اشارہ کیا ہے جو روزِ اول سے مرد کی سرشت میں موجود ہے جس کی تسکین ہوا کی بیٹی کو نوچنے سے ملتی ہے۔ باز کے شکار کے بعد خدا بخش ایک رات یارو کی بیٹی کو اپنی جنسی بھوک مٹانے کے لیے نوچتا ہے۔ وہ لڑکی صبح خدا بخش کے باز کی گردن مروڑ دیتی ہے۔ افسانے کا انجام ان جملوں پر ہوتا ہے جو مردانہ برتری کے بہترین آئینہ دار ہیں:

"رات بار بار کہتی تھی کہ وہ مجھے مار ڈالے گی۔ میں نے کہا لالیاں باز کو نہیں مار سکتیں نادان ----" (۹)

افسانہ "بین" ایک ماں کے دکھ، درد اور کرب کی داستان ہے جس کی بیٹی کسی کی جنسی بھوک کی بھینٹ چڑھ گئی ہے۔ افسانے میں قاسمی نے معاشرے کی اس ذہنیت کی عکاسی بھی ہے جو بیٹی کے پیدا ہونے پر صف ماتم بچھا دیتے ہیں۔

"اگلی رات جب تمہارے بابا نے موقع پا کر تمہیں دیکھا تو اداس ہو گیا تھا اور میں نے کہا تھا "تم تو کہتے تھے بیٹا ہو یا بیٹی سب خدا کی دین ہے۔ پھر اب کیوں منہ لٹکایا ہے۔" اور اس نے کہا تھا "تو نہیں جانتی بھولی عورت۔ تو ماں ہے نا تو کیسے جانے کہ خدا اتنی خوبصورت لڑکیاں صرف ایسے بندوں کو دیتا ہے جن سے وہ بہت خفا ہوتا ہے۔"(۱۰)

یہ الفاظ ایک باپ کے بیٹی کے مستقبل کے حوالے سے خوف میں ڈوبے الفاظ تھے لیکن پاکستانی پدرسری معاشرتی رویوں کے بہترین عکاس ہیں جہاں بیٹے کی پیدائش کو تو باعث راحت سمجھا جاتا ہے لیکن بیٹی کی پیدائش کو زحمت گردانا جاتا ہے۔ اگر بیٹی کو زحمت نہ بھی کہا جائے تو پھر بھی بیٹی کی پیدائش پر باپ کے کندھے جھکے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ عطیہ داؤد نے اس حوالے سے لکھا ہے:

"انیس سو چھیاسٹھ میں میری بھتیجی پیدا ہوئی مجھے بہت خوشی ہوئی میں نے اماں سے کہا کہ مٹھائی کیوں نہیں بانٹتے ان کی جگہ بھابھی خالہ نے مجھے جھڑکتے ہوئے کہا کہ لڑکی پیدا ہونے کی خوشی نہیں منائی جاتی کیوں کہ فقط طوائف کے ہاں بیٹی پیدا ہونے پر کوٹھے پر ہی خوشیاں منائے جانے کا رواج ہے۔"(۱۱)

افسانہ ''سناٹا'' اس موضوع پر لکھا بہترین افسانہ ہے کہ کس طرح اکیلی خواتین کو مردوں کے اس معاشرے میں مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

''اماں نے جل کر کہا۔۔۔ ''ان سب بد ذاتوں نے مجھے تو کھا لیا کلیجے میں پیپ ڈال دی۔ میں پیدا ہوتے ہی کیوں نا مر گئی۔ یہ سب پیدا ہوتے ہی کیوں نا مر گئیں۔ یہ حرامزادیاں نا جانے کس گناہ کے بدلے میں مجھ کم بخت کے نصیبوں میں گھسی چلی آئیں۔ اللہ کرے موت آئے۔ کیڑے پڑیں بدن میں اُلو کی پٹھیاں۔۔۔۔۔''(۱۲)

اس افسانے میں بیٹیوں کی ماں کی نفسیاتی و جذباتی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی کہ بیٹی اگر کماؤ پوت بن جائے تو اس کے جذبات و احساسات کو کس طرح کچلا جاتا ہے۔ افسانے کا اختتام انتہائی معنی خیز ہے جہاں کلثوم شادی سے انکار کر کے مرد بننے کا دعویٰ کرتی ہے۔ یہ اختتام قاری کے ذہن میں افسردگی کے ساتھ ساتھ کئی اور سوالوں کو بھی جنم دیتا ہے۔

''میں مرد بن چکی ہوں۔'' پھر وہ بڑی لاپروائی سے انگلی اٹھا کر ہوا میں دستخط کرنے لگی۔

سناٹے کا ایک اور ریلا آیا اور وہیں منجمد ہو کر رہ گیا۔''(۱۳)

کونیل کے نزدیک صرف عورتوں کے ساتھ ناروا سلوک، تشدد یا جنسی زیادتی ہی مردانگی کی علامت نہیں ہے بلکہ اس کے تسلط کے کئی زاویے ہیں۔ دراصل کمزور کو دبانا اور طاقت کا حصول مردانگی کی بنیادی خصوصیات ہیں، جن کا اطلاق صرف خواتین پر ہی نہیں بلکہ ان کمزور مردوں پر بھی کیا جاتا ہے جو جسمانی، معاشی و معاشرتی طور پر کمزور ہوں۔ ہمارے پاکستانی معاشرے میں جاگیردارانہ نظام اور زمیندار اس کی بہترین مثال ہیں۔ قاسمی نے جہاں عورتوں کے استحصال کے خلاف آواز اٹھائی وہیں اس نے جاگیردارانہ نظام کی نقاب کشائی بھی کی ہے کہ کس طرح طاقتور طبقہ کمزور طبقے کو اپنے پاؤں کی جوتی کے برابر سمجھتا ہے۔ افسانہ ''موچی'' اور ''جوتا'' اس کی بہترین مثالیں ہیں جن میں جاگیردار اپنے ملازمین کے ساتھ نا صرف ظلم و تشدد کا رویہ رکھتے ہیں بلکہ اگر ان کی ملکیت میں کوئی اچھی قیمتی چیز ہو تو ان کی نظروں میں کھٹکتی ہے۔

افسانہ ''جوتا'' ایک ایسے مراثی کی کہانی ہے جس کے بیٹے پڑھ لکھ کر شہر میں اچھی نوکری کرنے لگتے ہیں جس کی بدولت اس مراثی کے دن بدل جاتے ہیں لیکن گاؤں کا چوہدری مراثی کو خوش حال دیکھ کر ہر وقت اس کی تذلیل کرتا رہتا ہے۔ مراثی کا بیٹا باپ کو ایک قیمتی کمبل لے کر دیتا ہے جو چوہدری اس سے خرید لیتا ہے اور خریدنے کے بعد کہتا ہے:

''اسے تہہ کرا کے منشی کے حوالے کیا کہ گھر پہنچا دو۔'' کہنا اسے دن بھر دھوپ میں سکھائیں اور کسی پیٹی میں پھینک دیں۔'' پھر وہ حاضرین سے مخاطب ہوا ''درجنوں پڑے ہیں اس طرح کے کمبل مگر میں دو پیسے کے میراثی کو ڈھائی تین سو کا کمبل اوڑھے دیکھ نہیں سکتا تھا۔ جوتے کو پاؤں میں ہی رہنا چاہیے۔''(۱۴)

اسی طرح افسانہ ''موچی'' میں بھی راجہ جی کیسے اپنے مزدوروں کا استحصال کرتا ہے، اس کو موضوع بنایا گیا ہے۔ نادر ایک غریب موچی ہے اور اپنے کام میں ماہر۔ نادر اپنی شادی کے لیے ایک قیمتی ذری والا جوتا بناتا ہے لیکن غربت کے باعث اس کو بیچ کر شادی کا خرچ بھی نکالنا پڑتا ہے۔ وہ راجہ جی کو جوتا پیش کرتا ہے اور یہ التجا بھی کہ صرف شادی والے دن اس کو یہ جوتا پہننے کے لیے مل جائے تو اس کی عزت بن جائے گی۔ اس پر راجہ گھرکا:

"میرا جوتا میرے پاؤں اور ان کمینوں کے سروں کے لیے ہوتا ہے۔"

نادر نے معافی مانگ جوتے کی قیمت چاہی جس پر راجہ بولا:

"دام" راجہ شیر خاں کی آواز گونجنے لگی۔ "یعنی نقد دام مانگتا ہے؟ آج تک راجہ شیر خاں سے کسی نے نقد دام مانگے ہیں جو تو مانگنے چلا ہے۔ غضب خدا کا دو پیسے کا جوتا گانٹھنے والا اور ساٹھ روپے کا جوتا پہنے۔ ناک کٹی جا رہی ہے۔ چل دفع ہو یہاں سے۔ منشی جی لکھ لو۔ اگلی فصل پر موچی کو پندرہ بیس روپے کی گندم تلوا دینا۔" (۱۵)

ظالم و مظلوم کی یہ کہانی صرف دیہی علاقوں یا جاگیر دارانہ نظام تک محدود نہیں ہے بلکہ حاکم و محکوم کا یہ سلسلہ شہری زندگی کا بھی خاصہ ہے۔ احمد ندیم قاسمی نے صرف دیہی ماحول کی عکاسی ہی نہیں کی شہری زندگی کو بھی اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ شہری ماحول کی پیشکش میں مکر و فریب، ریاکاری، مکاری، جھوٹی شان و شوکت، مصنوعی زندگی اور کھوکھلی معاشرت کو موضوع بنایا ہے۔ جمیل ملک احمد ندیم قاسمی کے افسانے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"جوں جوں افسانہ نگار شہر کی طرف منتقل ہوتا جاتا ہے غیر محسوس طور پر اس کے احساسات و جذبات پر فطری مظاہر، گاؤں کے محرکات اور گرد و پیش کے نقوش و علامات کا پرتو مدھم پڑتا جاتا ہے اور اس کے احساس و شعور پر اسی اعتبار سے شہر کے تقاضوں، تحریکوں اور رویوں کی چوٹ پڑتی نظر آتی ہے۔" (۱۶)

احمد ندیم قاسمی خود اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"معصوم فضاؤں سے نکل کر جدید تہذیب و تمدن کے ان گہر پاروں کو بھی دیکھوں جو گڑگڑاتی ہوئی مشینوں اور گاڑھے بدبو دار دھوئیں میں لپٹے ہوئے ابھرتے اور پھیلے جا رہے ہیں۔ یہاں کے مسائل الگ ہیں۔ ماحول الگ تھا، لوگوں کی ذہنیت الگ تھی، یہاں پتلونوں کی جمی ہوئی لکیروں اور بالوں کی متناسب لہروں کے تذکرے تھے، تصنع تھا، تکلف تھا، ریاکاری تھی۔۔۔۔ مصفا چہروں کے پیچھے سماج کا پلیگ تعفن پھیلا رہا تھا اور لباس حریر کے نیچے روحیں بلک رہی تھیں۔۔۔۔" (۱۷)

دیہات ہو یا شہر ہر جگہ پدر سری معاشرت کی حکومت ہے۔ شہر کی مشینی زندگی میں بھی مردانگی برتری جتانے اور حاکمیت قائم رکھنے کے لیے عورت کا استحصال لازمی گردانتا ہے۔ افسانہ "فیشن" اس کی بہترین مثال ہے۔ حلیمہ جو نجمہ کے گھر کام کرتی ہے اور اس کی سہیلی بھی ہے۔ نجمہ کو اپنے ہمسائے سے عشق ہے جس سے رابطہ بڑھانے کے لیے وہ حلیمہ کو اپنا رازدار بنا لیتی ہے اور خطوط کے ذریعے تعلق بڑھاتی ہے۔ لیکن ایک دن اچانک حلیمہ کی ماں اسے بغیر کسی سے کچھ کہے مارتے پیٹتے ہوئے گھر لے کر چلی جاتی ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

"اب حلیمہ کا معمول سا ہو گیا کہ نجمہ کے کسی حکم کی تعمیل میں جاتی تو دیر دیر سے واپس آتی اور پھر سر پکڑ کر بیٹھ جاتی کہ درد ہو رہا ہے۔ انہی دنوں مہینے کی پانچویں کو اس کی ماں تنخواہ لینے آئی۔ پہلے اس نے بڑی بی بی اور چھوٹی بی بی کو سلام کیا پھر حلیمہ سے رقم لینے

کے لیے اسے الگ لے گئی۔ مگر پھر نہ جانے کیا ہوا کہ اس نے حلیمہ کو دو ہتڑوں سے پیٹنا شروع کر دیا۔"(۱۸)

کچھ مہینوں بعد جب حلیمہ دوبارہ آئی تو اس کی گود میں ایک بچہ تھا۔ وہ نجمہ کو شادی کی مبارکباد دیتے ہوئے کہتی ہے کہ اچھا ہوا کہ اس کی شادی منصور شیخ جیسے کمینے انسان سے نہیں ہو رہی۔ نجمہ کے ابا انکشاف کرتے ہیں کہ اسی سے ہو رہی ہے اور حلیمہ کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ حلیمہ چپکے سے روتے ہوئے معافی مانگتی ہے اور وہاں سے چلی جاتی ہے۔ حلیمہ زیادتی کا شکار اس لیے ہوئی ہے کہ وہ نہ صرف عورت ہے بلکہ معاشی لحاظ سے کمزور بھی ہے۔ محبت ایک عظیم جذبہ ہے۔ اسی محبت کے نام کے سہارے شیخ منصور نے نجمہ سے محبت کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور حلیمہ کے ذریعے جنسی تسکین بھی پاتا رہا۔ یہ ہمارے معاشرے کا المیہ ہے کہ قصور اگر مرد کا بھی ہو تو موردِ الزام عورت کو ہی ٹھہرایا جاتا ہے۔ مرد اساس معاشرہ عورت کی زندگی ہر طرح اجیرن کیے رکھتا ہے۔ محبت جیسے جذبات عورت کے دل میں پیدا کر کے پھر اس سے قطع تعلق کرنا بھی عورت کے جذباتی استحصال کا ایک رخ ہے۔ "عالاں" اور افسانہ "دور بین" اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔ عارف عالاں سے محبت تو کرتا ہے لیکن سماجی رویوں کے سامنے اس کا اظہار کرنے سے گریز کرتا ہے۔

"میں سوچا۔ اچھی لڑکی ہے۔ پیاری بھی ہے۔ شوخ بھی ہے۔ سب کچھ ہے مگر آخر موچی کی لڑکی ہے اور خاندان کے بزرگ کہہ گئے ہیں کہ بلندی پر کھڑا ہو کر گہرے کھڈے میں نہیں جھانکنا چاہیئے۔ توازن بگڑ جاتا ہے اور آدمی گر جاتا ہے۔" (۱۹)

افسانہ "دور بین" میں بھی رؤف کالج میں تابی سے محبتیں بڑھاتا ہے لیکن کلاسز ختم ہونے کے بعد تابی سے کہتا ہے:

"امی اور ابا دونوں سے ایک بار نہیں کئی بار کہہ دیکھا ہے لیکن وہ نہیں مانتے۔ کہتے ہیں مہتاب پڑھی لکھی ہی سہی مگر اس کے ابا نے چھوٹے سے منیاری کی حیثیت سے تو کاروبار شروع کیا تھا اور لوگ کہیں گے کہ رانا عرفان کے اکلوتے بیٹے نے ایک منیارن کو گھر میں ڈال لیا ہے۔"(۲۰)

عورت کے ساتھ جنسی زیادتی، اس کے جذبات کے ساتھ کھلواڑ، اپنے سے نچلے طبقے کا استحصال یہ صرف چند ایک موضوعات ہیں جو پدرسری معاشرے میں عدم مساوات کو جنم دیتے ہیں۔ ایسے کئی رویے، اصول اور قانون ہیں جو مردانہ برتری اور پدرسری سماج کے عکاس ہیں۔

حوالہ جات

1. https://en,wikipedia 10th July ,2025
2. https:// dictionary, Cambridge.Org, 10th July 2025
3. R.W Connel, ''Masculinity'' (Second Edition), (England, Cambridge Polity Press, 2005), P:68
4. IBID, P:77
5. R.W Connell Messerschmidt, "Hegemonic Masculinity Rethinking the Concept", Published by Gender and Society, Vol. 19 No 6 (California Sage Publications, 2005), P: 833
6. IBID, P: 832

7. R.W Connel Masculinity (Second Edition), P: 76

۸۔ احمد ندیم قاسمی، لارنس آف تھیلیبیا (افسانہ)، (مشمولہ)، کپاس کا پھول، (افسانوی مجموعہ)، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۱ء، ص:۹

۹۔ ایضاً، ص:۲۳۳

۱۰۔ احمد ندیم قاسمی، "بین" (افسانہ)، (مشمولہ)، افسانے خود منتخب کردہ چالیس بہترین افسانے (مرتبہ)، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص:۹

۱۱۔ عطیہ داؤد، "فیمنزم سر آنکھوں پر" (مضمون)، (مشمولہ)، اُردو ادب اور تانیثیت، قاضی عابد، ڈاکٹر (مرتب)، (اسلام آباد، پورب اکادمی، س۔ن، ص:۳۰

۱۲۔ احمد ندیم قاسمی، "سناٹا"، لاہور، اساطیر پبلشرز، ۱۹۸۸ء، ص:۲۶۴

۱۳۔ ایضاً، ص:۲۶۹،۲۷۰

۱۴۔ احمد ندیم قاسمی، "جوتا" (افسانہ)، مشمولہ: "افسانے خود منتخب کردہ چالیس بہترین افسانے" (مرتبہ)، ص:۴۲

۱۵۔ احمد ندیم قاسمی، "موچی" (افسانہ)، مشمولہ: "مجموعہ احمد ندیم قاسمی"، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص:۴۷

۱۶۔ جمیل ملک، ندیم کی شاعری، راولپنڈی: نوید پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء، ص:۳۷

۱۷۔ احمد ندیم قاسمی، "دیباچہ"، (مشمولہ)، سیلاب و گرادب، لاہور، گلوب پبلشرز، ۱۹۴۳ء، ص:۳۰

۱۸۔ احمد ندیم قاسمی، "فیشن" (افسانہ)، (مشمولہ)، کپاس کا پھول، ص:۴۱

۱۹۔ احمد ندیم قاسمی، "عالاں" (افسانہ)، مشمولہ: "نیلا پتھر" (افسانوی مجموعہ)، لاہور، غالب پبلشرز، ۱۹۸۰ء، ص:۵۸،۵۹

۲۰۔ احمد ندیم قاسمی، "دوربین" (افسانہ)، (مشمولہ)، برگِ حنا، لاہور: ناشرین، ۱۹۵۹ء، ص:۶۹

References in Roman Script:

1. https://en.wikipedia.org, 10th July 2025.
2. https://dictionary.cambridge.org, 10th July 2025.
3. R. W. Connell, Masculinities (Second Edition), (England: Polity Press, 2005), p. 68.
4. Ibid., p. 77.
5. R. W. Connell and James W. Messerschmidt, "Hegemonic Masculinity: Rethinking the Concept," Gender and Society, Vol. 19, No. 6 (California: Sage Publications, 2005), p. 833.
6. Ibid., p. 832.
7. R. W. Connell, Masculinities (Second Edition), p. 76.
8. Ahmad Nadeem Qasmi, "Lawrence of Thalibia" (Afsana), mashmoola: Kapas Ka Phool (Afsanavi Majmua), (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1991), p. 9.
9. Ibid., p. 233.
10. Ahmad Nadeem Qasmi, "Been" (Afsana), mashmoola: Afsanay Khud Muntakhib Kardah Chalees Behtareen Afsanay (Murattib), (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1991), p. 9.
11. Atiya Dawood, "Feminism Sar Ankhon Par" (Mazmoon), mashmoola: Urdu Adab aur Tanisiyat, Qazi Abid (Murattib), (Islamabad: Poorab Academy, n.d.), p. 30.
12. Ahmad Nadeem Qasmi, Sanata, (Lahore: Asatir Publishers, 1988), p. 264.
13. Ibid., pp. 269–270.

14. Ahmad Nadeem Qasmi, “Joota” (Afsana), mashmoola: Afsanay Khud Muntakhib Kardah Chalees Behtareen Afsanay (Murattib), p. 42.
15. Ahmad Nadeem Qasmi, “Mochi” (Afsana), mashmoola: Majmua Ahmad Nadeem Qasmi, (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2008), p.
16. Jameel Malik, Nadeem Ki Shairi, (Rawalpindi: Naveed Publications, 1992), p. 73.
17. Ahmad Nadeem Qasmi, “Dibacha,” mashmoola: Sailab-o-Girdab, (Lahore: Globe Publishers, 1943), p. —.
18. Ahmad Nadeem Qasmi, “Fashion” (Afsana), mashmoola: Kapas Ka Phool, p. 41.
19. Ahmad Nadeem Qasmi, “Aalaan” (Afsana), mashmoola: Neela Pathar (Afsanavi Majmua), (Lahore: Ghalib Publishers, 1980), pp. 58–59.
20. Ahmad Nadeem Qasmi, “Doorbeen” (Afsana), mashmoola: Barg-e-Hina, (Lahore: Nashireen, 1959), p. 69.